Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)

Published:
May 25, 2025

The Principled and Civilizational Evolution of Constitution-Making: An Analysis of Legal Development and State Formation in Islamic and Western Traditions

آئین سازی کا اصولی و تہذیبی ارتقاء
(اِسلامی اور مغربی روایت میں قانونی ارتقاء اور ریاست کی تشکیل کا تحقیقی جائزہ)

Prof. Dr. Hassan Mohi-ud-Din Qadri

Dean, Faculty of Law

Minhaj University, Lahore

Email: hasanqadri@mul.edu.pk

Abstract

This research article offers a comparative analysis of the principled and civilizational evolution of constitution-making in Islamic and Western traditions. It highlights the distinct historical, cultural, and intellectual contexts that shaped the constitutional development in these two prominent civilizations. The article posits that while Western constitutionalism evolved from the ancient Greek and Roman democratic ideals to modern European theories, the foundations of Islamic constitution-making are rooted in the establishment of the State of Medina, centered on principles of justice, consultation, and Islamic governance. The Constitution of Medina is presented as a seminal example, not only for establishing a stable state but also for pioneering principles of governance and citizen rights. Notably, it predates Western written constitutions by centuries, embodying concepts like religious tolerance, individual liberty, and collective responsibility long before they gained traction in the West. The study traces Western constitutional development from early philosophical concepts to the Magna Carta and the US Constitution, underscoring the shift towards limiting state power and safeguarding individual rights. In contrast, Islamic constitutional thought, deeply intertwined with religious doctrine, emphasizes the state's role in serving faith, fostering moral values, and ensuring justice and equality for all citizens, irrespective of their faith or background. The article concludes by asserting that Islamic constitution-making offers a comprehensive, practical, and enduring model rooted in divine guidance, presenting a beacon for global constitutional thought even today.

Keywords: Principled, Civilizational, Evolution, Constitution, Making, Development, State, Legal, Western Traditions

تمہید

آئین سازی کسی بھی ریاست کی ساخت، حکومتی اصولوں اور شہریوں کے حقوق کے تعین میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ دنیا کی مختلف تہذیبوں میں تشکیلِ دستور کا عمل مختلف تاریخی، ثقافتی اور فکری پس منظر میں ہوا ہے۔ اسلامی اور مغربی تہذیبیں جو دنیا کی سب سے قدیم اور مؤثر تہذیبوں میں شمار کی جاتی ہیں، نے آئین سازی کے عمل کو مختلف انداز میں مرتب کیا ہے۔ جہاں مغربی دنیا نے قدیم یونان اور روم کی جمہوری روایات سے لے کر جدید یورپی آئینی نظریات تک کا سفر کیا، وہیں اسلامی تاریخ میں آئین سازی کی بنیادیں ریاستِ مدینہ کے قیام سے وابستہ ہیں، جس کا مرکزی محور عدل، شوریٰ اور اسلامی اصولِ حکمرانی تھے۔ اس تحقیقی مضمون کا مقصد دونوں

CC BY

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
May 25, 2025

تہذیبوں میں آئین سازی کے اصولی و تمدنی ارتقاء کا تقابلی جائزہ پیش کرنا ہے، تاکہ ان میں پائے جانے والے مشترکات اور اختلافات کو اجاگر کیا جا سکے۔ خصوصی طور پر دستورِ مدینہ کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا جائے گا، جس نے نہ صرف ایک مستحکم ریاست کی تشکیل کی بلکہ حکومتی اصولوں اور شہری حقوق کی حفاظت کی ایک نئی بنیاد فراہم کی۔ اس مطالعے میں مغربی دنیا کی آئین سازی کے مراحل اور اسلامی آئینی اصولوں کے تقابلی جائزے کے ذریعے ان دونوں روایات کی اہمیت، ارتقاء اور اثرات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔

جب انسانیت فکری انتشار، قبائلی عصبیت، معاشرتی بے چینی اور باہمی نفاق کا شکار تھی، ایسے وقت میں سرزمینِ حجاز سے نبوتِ محمدی ﷺ کا آفتابِ عالم تاب طلوع ہوا۔ آپ ﷺ نے عالمِ انسانیت کو ایک ایسے آئینی و اخلاقی نظام کی نوید دی، جو نہ صرف انسانوں کے باہمی احترام، رواداری، عدل اور امن پر مبنی تھا بلکہ معاشرتی و سیاسی بقا کا ضامن بھی تھا۔ مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی راہنمائی میں ایک ایسا جامع اور قابلِ عمل آئین تشکیل پایا جو کامیابی سے مختلف قبائل، مذاہب اور طبقات کو ایک اجتماعی نظم کے تحت جوڑنے میں کا سبب بنا۔ تاریخ کے اوراق میں یہ آئین "میثاقِ مدینہ" کے نام سے محفوظ ہے۔ اس تاریخی دستور میں رنگ، نسل، قبیلہ اور مذہب کے امتیازات سے بالاتر ہو کر تمام افرادِ مدینہ کو ایک وحدت میں پرو دیا گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ آئینی بصیرت دراصل انسانیت کے لیے ایسی ہمہ گیر رہنمائی تھی جس نے اختلافات کو تصادم کی بجائے تنوع کا حسن بنایا اور معاشرتی بقا کے لیے افہام و تفہیم کا در کھولا۔

میثاقِ مدینہ کو دستور سازی کی تاریخ میں اولین تحریری آئین کا مقام حاصل ہے، جو اس وقت وجود میں آیا جب دنیا کے بڑے تمدن ابھی ایسی سطح کی دستاویزی بنیادوں سے ناآشنا تھے۔ اس عہد میں نہ کہیں مساوات کا شعور تھا، نہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ، اور نہ ہی حکومتی اختیارات کی وضاحت۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف ان تمام بنیادی اصولوں کو ایک جامع دستاویز میں سمویا، بلکہ اسے ایک قابلِ عمل نظام کی صورت بھی عطا کی۔ میثاقِ مدینہ 63 دفعات اور 750 الفاظ پر مشتمل محض ایک وقتی معاہدہ نہیں تھا بلکہ انسانیت کے لیے ایک ہمہ گیر اصولی خاکہ تھا، جس میں شہری آزادی، مذہبی رواداری، اجتماعی ذمہ داری اور اقلیتوں کے حقوق جیسے بنیادی تصورات کو بڑی حکمت و بصیرت کے ساتھ شامل کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ "میثاقِ مدینہ" دنیا کا پہلا تحریری دستور ہونے کے ناطے نہ صرف امتیازی حیثیت کا حامل ہے بلکہ اپنے نفسِ مضمون کے اعتبار سے بھی اعلیٰ ترین دستوری اور آئینی خصوصیات کا مظہر ہے۔ آج دنیا کے مہذب ترین آئین بھی جن اصولوں پر نازاں ہیں، وہ سب چودہ سو سال قبل میثاقِ مدینہ کی صورت میں پیش کیے جا چکے تھے۔ لہٰذا اس آئینی دستاویز کا مطالعہ صرف اسلامی تاریخ کا جائزہ نہیں، بلکہ عالمی آئینی فکر کے ارتقاء کو سمجھنے کی کلید بھی ہے۔

۱۔ یونانی جمہوریت اور ابتدائی آئینی تصورات

عالمِ مغرب اگرچہ آئین و دستور سازی میں اوّلیت کا دعویدار ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی بنیادیں قدیم مشرقی تہذیبوں خصوصاً مصر، بابل، آشور اور فارس سے ماخوذ ہیں۔ ان تہذیبوں نے پہلی بار بادشاہی نظام، قانون سازی، اور مذہب و سیاست کے امتزاج پر مبنی نظریات متعارف کروائے۔ سمیریوں نے تین ہزار قبل مسیح میں پہلی سیاسی پارلیمنٹ تشکیل دی، جب کہ حمورابی کے قوانین نے عدل و مساوات کی بنیاد رکھی۔ ان تہذیبوں میں حکمران کو اُلوہی صفات کا حامل سمجھا جاتا تھا تاکہ اس کی اطاعت کو واجب قرار دیا جا سکے۔ سکندرِ اعظم نے مشرقی اصول اپنا کر مغرب میں وحدت پیدا کی، جس سے مغربی معاشرہ منظم ہوا۔ یونانی نوجوان مشرق کی طرف مائل ہوئے، تجارت، فنون اور فوج میں خدمات انجام دیں، اور مشرقی تہذیب سے متاثر ہو کر معاشرتی تبدیلی لائے۔ گو کہ ان نظاموں میں ظلم اور انسانی حقوق کی پامالی بھی موجود تھی، تاہم آئینی افکار کی اصل بنیادیں عالمِ مشرق ہی سے وابستہ رہیں۔

عالمِ مغرب اگرچہ آئین و دستور سازی میں اوّلیت کا دعویدار ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی بنیادیں قدیم مشرقی تہذیبوں، خصوصاً مصر اور عراق کی بابلی تہذیبوں (Babylonian Civilizations) نے رکھی۔ سمیری (Sumer) دستور سازی کا شمار

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

ان مشہور دساتیر میں ہوتا ہے جن کا ظہور قدیم عالم شرق میں ہوا۔ تاریخ انسانی میں سمیری لوگ اس اعتبار سے امتیازی حیثیت کے حامل ہیں کہ انہوں نے تین ہزار قبل مسیح میں پہلی بار سیاسی پارلیمنٹ تشکیل دی تاکہ جنگ اور امن و سلامتی سے متعلق فیصلے کر سکیں۔ ان کی دستور سازی اسلامی دستور سازی کے قریب تر تھی(1)۔

حمورابی (Hummurabi) قانون 1795ء تا 1750 قبل مسیح بابل کے اہم قدیم بادشاہوں نے تشکیل دیا(2)۔ عبرانی (Hebrew) اور آشوری (Assyrian) دساتیر (جو سریانی اور کلدانی کے نام سے بھی مشہور ہیں) بابل کے شہروں میں منصۂ شہود پر آئے(3)۔ بلادِ فارس میں حطّیوں (Hittites) اور فرعونی دستور (Pharaonic Kingdom) نے قدیم مصر میں جنم لیا(4)۔

الغرض حطّی (Hittites)، عبرانی (Hebrew) اور حمورابی قانون (Hummurabi Law) جیسے قدیم دساتیر نے آئندہ قانونی ارتقاء کی بنیاد رکھی۔ مقدونیوں (Macedonians) اور فارسی سلطنت (Persian Empire) نے ان اصولوں کو اپنایا اور مضبوط شہنشاہی نظام تشکیل دیا۔ بعد ازاں یہ تصورات یونانی تہذیب (Hellenic Civilization) اور رومی سلطنت (Roman Empire) تک منتقل ہو گئے۔ سکندر اعظم (Alexander the Great) نے انہی مشرقی اصولوں کی بنیاد پر مغرب میں وحدت قائم کرنے کی کوشش کی۔ مشرقی تہذیب کے اس اثر و نفوذ نے مغرب کو ایک نئے سیاسی و اخلاقی شعور سے روشناس کروایا(5)۔ گو کہ ان نظاموں میں ظلم اور انسانی حقوق کی پامالی بھی موجود تھی، تاہم آئینی افکار کی اصل بنیادیں عالمِ مشرق ہی سے وابستہ رہیں۔

2۔ عالمِ مغرب میں آئین سازی کی ابتداء

عالمِ مغرب میں آئین سازی کی تاریخ میں یونانی تہذیب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مغرب میں جمہوریت، شہری آزادی، اور سیاسی اداروں کے جو بیج بوئے گئے، وہ سب یونانی شہر اور ریاستوں، خصوصاً ایتھنز (Athens) میں پروان چڑھے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں ایتھنز (Athens) کا دور شروع ہوا۔ جس کے آنے سے اقتصادی اور صنعتی سرگرمیوں کو ترقی اور شہرت ملی، تجارتی سرگرمیاں بحر ابیض کے ذریعے پھیلنے لگیں۔ جس سے مصر اور مراکش کے مابین تعلقات وسیع اور مضبوط ہو گئے اور اس اقتصادی ترقی کے ساتھ ساتھ سیاسی اور معاشرتی ترقی کا بھی آغاز ہوا(6)۔

---

(1) خزعل الماجدي: فنون السومريين. الكتاب الأول. التاريخ الميثولوجيا، ط: الدار الأهلية. عمان: 1998، ص/ 18–19.
Chilperic Edwards, The Hammurabi Code And the Sinai tic Legislation, pp. 13–16.
S. Langdon, The Sumerian Law code compared with the Code of Hammurabi, 1935.

(2) د/ عباس عبودي: شريعة حمورابي، ط1، دار الكتب العلمية، بيروت سنة 2001م (ص/ 15). ومجموعة مؤلفين: شريعة حمورابي وأصل التشريع في الشرق القديم، ترجمة أسامة سراس، دار علاء الدين.

(3) History of Ancient Civilization: Charles Seignobos, Arthur Herbert Wilde - transltr, Arthur Herbert Wilde - Charles Scribner's Sons: New York: 1906, pp. 37–41.

(4)Julian Huxley: From an Antique Land: Ancient and Modern in the Middle East. Crown. New York. 1954, pp. 257–264.

(5) Andre' Aymard & Jeannine Auboyer: General history of civilizations - ancient Greece and the Middle: 1:404.
H. R. Hall: The Ancient History of the Near East: From the Earliest Times to the Battle of Salamiss: Methuen, London, 1913, pp. 398–403.

(6) Andre' Aymard & Jeannine Auboyer: General history of civilizations - ancient Greece and the Middle: 1:330–331.

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

یونانی مفکرین خصوصاً سقراط (Socrates)، افلاطون (Plato) اور ہیروڈوٹس (Herodotus)(7) جیسے فلاسفہ نے مذہبی فکر رکھنے والے بادشاہ سے آزادی کے لیے آئین، ریاست، اور شہری کے باہمی تعلق پر گہرے افکار پیش کیے۔ اُنہوں نے پارلیمنٹ اور مختلف سیاسی اداروں کا قیام عمل میں لانے کے لیے کوششیں کیں تاکہ انفرادی نظام اقتدار اور اس سے متعلق تمام اُمور پر پابندی عائد کی جاسکے(8)۔

Athens کی جمہوریت میں "قانون کی بالادستی" کا ایک ابتدائی تصور بھی موجود تھا۔ یونانی جمہوریت میں براہِ راست شرکت (Direct Democracy) کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ہر شہری کو قانون سازی، فیصلے، اور محاسبے میں حصہ لینے کا حق حاصل تھا۔ اگرچہ خواتین، غلام، اور غیر شہری اس عمل سے خارج تھے(9)۔ پھر بھی یہ تجربہ اس بات کا اعلان تھا کہ ریاست محض حکمرانوں کی مرضی پر نہیں بلکہ اجتماعی فہم اور اصولوں پر چلنی چاہیے۔ گو کہ یونانی جمہوریت کی عملی عمر زیادہ طویل نہ تھی اور اس میں کئی نقائص بھی تھے، مگر اس کے نظریاتی اثرات انتہائی گہرے تھے۔ یونانی جمہوریت کا مطالعہ ہمیں آئین سازی کے آغاز میں انسانی عقل و شعور کے اس سفر کی جھلک دکھاتا ہے جہاں حکمرانی کو اصولوں، اداروں، اور قانون کی بنیاد پر استوار کرنے کی پہلی سنجیدہ کوشش کی گئی۔

3۔ رومی جمہوریت اور آئین سازی (Roman Legislation)

چھٹی صدی قبل مسیح میں جب روم بالادست قوت کی حیثیت سے اُبھرا تو اس نے نیا جمہوری نظام متعارف کروایا۔ رومی، نشاۃ الثانیہ، اور جدید مغربی آئینی تحریکوں نے یونانی فکر سے براہِ راست اثر لیا۔ جدید مفکرین کے مطابق رومی سلطنت تباہ شدہ تہذیبوں بالخصوص یونانی تہذیب اور اتروسک تہذیب (Etruscan Civilization) پر قائم ہوئی(10) جس سے مادی اور ادبی وراثت حاصل کرکے اسے اپنے کلچر کا حصہ بنایا۔

رومی تہذیب، جس نے یونانی ورثے کو جذب کرکے ایک نیا قانونی اور سیاسی نظام ترتیب دیا، آئین سازی کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ روم نے اپنے نظامِ حکمرانی کو مضبوط کرنے کے لیے ایک مخلوط آئین وضع کیا جس میں نظامِ بادشاہت (monarchial)، نظامِ ارستقراطیہ یعنی مراعات یافتہ مخصوص طبقہ کی حکومت کا نظام (aristocracy) اور جمہوری نظام (democracy) کے تمام محاسن جمع کیے(11)۔

روم کی شہنشاہیت میں عدلیہ یعنی نظامِ قضا (judgeship) شاہِ روم کی نمائندگی کرتا تھا۔ روم کا قاضی شہر اور خداؤں (شہنشاہوں) کے درمیان فطری رابطہ کار کا کردار ادا کرتا۔ جس کے پاس سپہ سالار (chief of army) کی طرح کے اختیارات ہوتے اور اُسے یہ حق حاصل ہوتا کہ وہ پارلیمنٹ اور سینٹ کا اجلاس طلب کرے۔ روم کی شہنشاہیت میں قاضی کو یہ اختیار حاصل تھا کہ پارلیمنٹ اور سینٹ اس کی اجازت کے بغیر اجلاس نہیں بلا سکتے تھے۔ قاضی کو مدتِ ملازمت (tenure) کے دوران معزول کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی قانونی/عدالتی چارہ جوئی کی جاسکتی تھی۔ رومی اُسے صوبے کا بادشاہ تصور کرتے تھے مگر قونصلرز کے عہدوں کے وجود میں آنے سے جج کی حیثیت ثانوی ہوگئی(12)۔

(7) J. P. Mahaffy: A Survey of Greek Civilization: Flood and Vincent, Meadville, PA: 1896, pp. 121–122.
(8) Carl von savigny & Translated from German by E. Cathcart, The History of the Roman Law during Middle Ages, Vol.1, 1779–1861, p.(preface) & 30-60, Fritz Schulz, Classical Roman Law, Oxford University Press:1960, pp. 523–546.
(9) Charles Seignobos, Arthur Herbert Wilde: History of Ancient Civilization, pp. 198–207.
(10) د. إبراهيم نصحي: تاريخ الرومان من أقدم العصور حتى 133 ق. م. (ص/ 37).
(11) Ibid, 2:127–128.
Charles Seignobos, Arthur Herbert Wilde: History of Ancient Civilization, pp. 193–197.
(12) Andre' Aymard & Jeannine Auboyer: General history of civilizations – Rome and its Empire,

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

رومی جمہوریت اور قانون نے آئندہ زمانوں میں حکمرانی، عدل، اور شہری حقوق کے جو اصول متعارف کروائے، وہ آج بھی مغربی آئینی نظام کا بنیادی حصہ ہیں۔ رومی نظام حکومت میں سب سے اہم ادارہ سینیٹ تھا، جو پالیسی سازی، مالیات، اور جنگ و امن جیسے اہم معاملات پر اثر انداز ہوتا تھا۔ بعد میں سینیٹ کے اندرونی خلفشار اور جھگڑوں کی وجہ سے رومی عوام کی سیاسی امور میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ سینیٹ نے عوام کے ابتر حالات سنوارنے اور غلاموں کے مسائل حل کرنے کے بجائے مسلح عسکری قائدین کی ترقی پر پابندی لگا دی۔ اس اقدام کا منفی نتیجہ یہ نکلا کہ سینیٹ کا بیک وقت عسکری قائدین اور عوام کے ساتھ تصادم شروع ہو گیا۔ خانہ جنگی اور انارکی پھیلنے کی وجہ سے جمہوریت کا خاتمہ ہوا اور شہنشاہی نظام (monarchial imperium) کی راہ ہموار ہو گئی(13)۔

4۔ مغرب میں سیاسی شعور سے آئینی شعور تک کا سفر

رومی سلطنت کے زوال کے بعد یورپ ایک طویل عرصے تک سیاسی انحطاط، غیر یقینی، اور مذہبی غلبے کے دور میں داخل ہوا جسے تاریخ میں قرونِ وسطیٰ (Middle Ages) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دور میں اگرچہ سیاسی ادارے کمزور ہو گئے تھے، لیکن کلیسا (Church) ایک مضبوط اور بالادست ادارے کے طور پر ابھرا، جو نہ صرف روحانی معاملات بلکہ سیاسی اور قانونی نظام پر بھی اثر انداز ہوا۔ اسی کلیسائی غلبے نے یورپ میں آئینی جدوجہد کی بنیاد فراہم کی، جو بعد میں جدید آئینی فکر کے ارتقاء کا باعث بنی۔

کلیسا کی بالادستی نے بادشاہوں کو "خدا کے نمائندے" کے طور پر پیش کیا اور انہیں اُلوہی حقِ حکمرانی (Divine Right of Kings) عطا کیا۔ اس تصور کے تحت بادشاہ کسی انسانی قانون کے تابع نہیں بلکہ صرف خدا کے سامنے جواب دہ تھے۔ اس نے مطلق العنانیت کو فروغ دیا اور ریاستی اختیارات کو ایک فرد کے ہاتھ میں مرکوز کر دیا۔ لیکن اسی نظام کے خلاف جلد ہی فکری اور عملی مزاحمت شروع ہو گئی۔

مؤرخین کے مطابق تیرہویں صدی کے وسط میں سیاسی لڑائیاں اور انسانی حقوق کی پامالی پر استوار ظالمانہ و استحصالی نظام مغربی دنیا میں جدید دستور سازی کا سبب بنا۔ اسی پس منظر میں ایک ایسا تحریری دستور معرضِ وجود میں آیا جس نے انفرادی حقوق کی حفاظت کی اور حاکم و محکوم کے درمیان تعلق قائم کیا۔ بادشاہ جان (John) نے 1215ء میں مشہور اور عظیم معاہدہ پر دستخط کیے جسے میگنا کارٹا (Magna Carta) سے موسوم کیا جاتا ہے انگریزوں کی دستور سازی کی یہ پہلی کاوش(14) اور عالم مغرب میں یہ تحریری دساتیر کا پہلا بیج تھا۔ جس میں بادشاہ کی طاقت کو قانون کے ذریعے محدود کیا گیا۔ اس میں واضح کیا گیا کہ بادشاہ کسی فرد کو غیر قانونی طور پر قید، جائیداد سے محروم، یا جلاوطن نہیں کر سکتا بغیر قانونی عمل کے۔ اس نے "قانون کی حکمرانی (Rule of Law)" اور "آئینی حکومت" کے تصورات کو جنم دیا۔

5۔ مغربی دنیا میں تحریری دستور سازی: میگنا کارٹا سے امریکی آئین تک ایک فکری ارتقاء

میگنا کارٹا کے کئی عشروں بعد 1653ء میں اولیور کرامویل (Oliver Cromwell) نے 43 آرٹیکلز پر مشتمل ایک دستور پیش کیا، جو زیادہ عرصہ نافذ نہ رہ سکا اور منسوخ کر دیا گیا۔ اسی تسلسل میں 1790ء میں امریکہ میں شہریت کا قانون (Naturalization Act of 1790) بنایا گیا، جو کہ 26 مارچ 1790ء کو نافذ العمل ہوا۔ ادھر 1911ء میں برطانیہ میں پارلیمانی قانون (Parliament Act 1911) منظور ہوا، جو برطانیہ میں آئین سازی کے سفر کا سنگِ میل تو تھا، مگر اس کی نوعیت

2:130, 133–134.
Charles Seignobos, Arthur Herbert Wilde: History of Ancient Civilization, pp. 274–278.
(13) Andre' Aymard & Jeannine Auboyer: General history of civilizations – Rome and its Empire, 2:152–153.
(14) James C. Holt, Magna Carta, pp. 1–3.
William sharp Mckechnei, Magna Carta: Text and Commentary, pp. 8–10.

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

تحریری نہ تھی۔[15]

جب امریکہ نے 1776ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کی تو مغربی دنیا میں تحریری دستور سازی کی ایک نئی لہر اٹھی۔ امریکہ کی مختلف ریاستوں جیسے ورجینیا (Virginia)، پنسلوانیا (Pennsylvania) اور میساچوسٹس (Massachusetts) وغیرہ نے تحریری آئین مدون کیے۔ یہ درحقیقت وہ دور تھا جس میں ایک عظیم آئین کی تدوین کی گئی جو تمام ریاستوں کے لیے لیے مشترکہ تھا[16]۔

1787ء میں صدر جارج واشنگٹن (George Washington) کی قیادت میں میری لینڈ (Maryland) ریاست کے دار الحکومت اینا پولس (Annapolis) میں فلاڈیلفیا/پنسلوانیا کانفرنس (Continental Congress) منعقد ہوئی۔ یہاں تمام امریکی ریاستوں کے لیے ایک مرکزی حکومت کے قیام کی ضرورت محسوس کی گئی، جو ہر شہری کے انفرادی حقوق کی ضامن ہو۔ اس دستور کی بنیاد ایک ایسے غیر معمولی اُصول پر رکھی گئی جسے اس دستور کی اساس اور سنگ بنیاد کہا جاتا ہے۔ یہ اقتدار کے اختیارات و طاقت کی تقسیم (Principle of the Separation of Powers) کا اُصول ہے[17]۔

امریکی آئین کا مرکز و محور "اختیارات کی تقسیم" کا اصول تھا، جو اس کی اساس اور بنیاد ٹھہرا۔ اس آئین نے متحد ریاستوں کو ایک متحد سیاسی نظام میں ڈھال دیا اور اسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ (United States of America) کا نام دیا گیا۔ اس دستور نے اپنے بہترین اور غیر معمولی اُصول و قواعد بالخصوص اقتدار کے اختیارات و طاقت کی تقسیم کے اُصول کی بنا پر اقوام عالم کی توجہ حاصل کی[18]۔

مغربی دنیا میں غلام اقوام میں سیاسی شعور بیدار ہوا، اور امریکہ دنیا بھر میں جمہوریت اور آزادی کا علمبردار بنا[19]۔ مغربی اقوام میں یہ تصور جڑ پکڑنے لگا کہ مظلوم قوموں کے تحفظ کا مؤثر ذریعہ ایک ایسا تحریری دستور ہے، جو حقوق کو واضح طور پر بیان کرے[20]۔ بیسویں صدی میں بالخصوص عالمی جنگوں کے بعد، تحریری دساتیر کا رواج عالمی سطح پر عام ہونے لگا۔ مغربی دنیا میں ریاست اور

---

(15) Peter Leyland, The Constitution of the United Kingdom, A constitutional Analysis, pp. 9–11.
Colin Turpin, British Government and the constitution, Text, Cases and Materials: 5th EDT, Cambridge University Press, 2005, Ch.1, pp. 4–5.

(16) Roland Mussenier – General history of civilizations – 16&17 Century, 4:54, 55.
Sidney Painter, William marshal, p. 200.
Julian Hoppit, A Land of liberty, p. 38.
Albert P.Blaustein & Jay A.Sigler: Constitutions that made History, Paragon House Publishers, New York, 1988, pp. 38–41.

(17) Albert P.Blaustein & Jay A.Sigler: Constitutions that made History, Paragon House Publishers, New York, 1988, pp. 38–41.
Joseph Smith: The American Constitution, The First Two Hundred Years, 1787–1987, University of Exeter Press: Exeter, England: 1987, pp. 17–19.
Ralf Ketcham: The Anti–Federalist Papers and the constitutional Convention Debates, pp. 10–30.
Laurence H. Tribe, American Constitutional Law, 2nd edition: The Foundation Press, Inc:1988, Ch.1, p. 2.
Eugene W. Hickok, The Bill of rights: Original Meaning and current Understanding, p. 5.
Marten Ousting, In the International Ombudsman Anthology: Selected Writings from International Ombudsman Institute, Klawer law international, pp. 1–3.

(18) Michael I. Meyerson, Liberty's Blue prints (How Madison and Hamilton Wrote the Federalist Papers, Defined the Constitution, and Made Democracy safe for the World), p. 178.

(19) Robert Schnerb: General history of civilizations: The nineteenth century, 6:105.

(20) Melvin I. Urofsky, Paul Finkelman: A March of Liberty: A Constitutional History of the United States, Volume: 1: Oxford University Press: New York: 2002, p. 271.
علي يوسف الشكري: القانون الدستوري، ص/ 403–404، دار صفاء للنشر والتوزيع، عمان، 2004م.

OPEN ACCESS

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

آئین کے مفاہیم میں وسعت پیدا ہوئی، اور مختلف اقوام نے اپنے سماجی، تہذیبی اور فلسفیانہ تناظر میں نئے دساتیر تشکیل دیے۔ مغربی مفکرین جیسے Lake،Frederic،John Alder،Machiavelli،Hilaire Barnett،Erik Brandt،Dicey، Saint Thomas،Immanuel Kant(21) اور دیگر کے نزدیک آئین ایک ایسا عمرانی و سیاسی معاہدہ ہے جو حکمران و رعایا کے مابین تعلق، ذمہ داری اور حقوق کا تعین کرتا ہے۔

تحریری دستور ہر شخص کے بنیادی حقوق جیسے حق رائے دہی (freedom of speech)، مذہبی آزادی کا حق (freedom of religion)، عدل وانصاف کے حصول کا حق (right to justice)، مساوات (equality)، جان، مال اور عزت کا تحفظ (security)، لوگوں کی شخصی رازداری کا حق (right to privacy) اور جائیداد کا حق (right to property) وغیرہ کی حفاظت کرتا ہے۔ اس میں بیان کردہ قوانین میں تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ البتہ خاص حالات کے پیش نظر انتہائی محدود پیمانے پر ترمیم ممکن ہے۔ ان قوانین کی بنیاد پر عوامی الیکشن کے ذریعے ایک مضبوط حکومتی نظام قائم ہوتا ہے۔ ظلم کی روک تھام اور عوام کے تحفظ کے لیے یہ حکومتی نظام تین ستونوں ؛ قانون سازی کا ادارہ (legislature)، اقتدار کے نفاذ کا ادارہ (executive)، عدالتی نظام کا ادارہ (judicial)۔(22) پر قائم ہوتا ہے تاکہ عوام کے تحفظ اور ظلم کے سدِباب کو یقینی بنایا جاسکے۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ اور امریکہ میں جو سیاسی تبدیلیاں آئیں، انہوں نے آئین کو محض حکمرانی کا آلہ نہیں بلکہ ایک فکری اور اخلاقی میثاق بنا دیا۔ امریکی انقلاب (1776ء) اور فرانسیسی انقلاب (1789ء) نے نہ صرف مطلق العنانیت کو چیلنج کیا بلکہ انسانی حقوق، عوامی خود مختاری، اور قانون کی برتری جیسے اصولوں کو آئینی شکل دی۔ امریکہ کے آئین میں واضح کیا گیا کہ حاکمیت کا سرچشمہ عوام ہیں اور ریاست کے اختیارات کو محدود کیا جا سکتا ہے۔ فرانس میں شہریوں اور انسانی حقوق کا اعلان انقلابِ فرانس کے وقت 1789ء میں ہوا(23)۔ اس کے بعد 1791ء میں آئین کا اعلان کیا گیا(24)۔

یہ اعلان انقلابِ فرانس کے بنیادی اصول پر مبنی ہے جس میں اس طرف واضح اشارہ ہے کہ سلطنت کا اصل مرجع عوام ہیں اور تمام لوگ مساوی حقوق کے حامل ہیں۔ انقلاب فرانس کے بعد یورپ کے مختلف ممالک میں بھی آئینی اصلاحات کا آغاز ہوا۔ برطانیہ میں اگرچہ کوئی تحریری آئین نہ تھا، لیکن تدریجی ارتقاء اور پارلیمانی برتری کے اصول نے ایک آئینی توازن قائم کیا۔ جرمنی، اٹلی، اور دیگر یورپی ممالک میں مختلف ادوار میں آئینی تجربات کیے گئے، جن میں بعض کامیاب اور بعض ناکام رہے، مگر ان سب نے ایک مجموعی رجحان کو تقویت دی کہ حکومت کو قانونی دائرے میں رہتے ہوئے چلنا چاہیے۔

مملکت متحدہ برطانیہ میں پارلیمنٹ کو شوریٰ اور قانون سازی کا اختیار دیا گیا۔ باقاعدہ طور پر اس کی شکل وصورت اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں واضح ہوئی(25)۔

(21)John Alder Constitutional Law and administrative Law sixth Edition (2007) Palgrave Macmillan Press ch:1، P.6
Eric Barendt an Introduction to constitutional law, pp. 6–14.
John Locke (1632–1704): Individual Rights and majority Government (John Alder Constitutional Law and administrative Law), p. 25.
(22) John Alder Constitutional Law and administrative Law, Sixth Edition (2007) Palgrave Macmillan Press ch:1, P. 3.
Hilaire Barnett Constitutional and administrative Law, seventh Edition (2009) Cavendish publishing Limited, pp. 6–16.
(23) William Doyle, The Oxford History of the French Revolution (2nd ed. 2003), pp. 73–74.
(24) Pertue, M: “Constitution de 1791”, in Soboul, Ed., “Dictionnaire historique de la Revolution francaise,” pp. 282–283. Quadrige/PUF, Paris: 2005.
(25) Democracy Today and Tomorrow: Edvard Benees: The Macmillan Company: New York: 1939, pp. 17–18.

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

بیسویں صدی میں دونوں عالمی جنگوں کے تجربات، فاشزم اور کمیونزم کے ابھار، اور اقوامِ متحدہ کے قیام نے آئینی ریاستوں کی اہمیت کو مزید اجاگر کیا۔ اقوامِ متحدہ کے چارٹر، انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ (1948ء) اور مختلف بین الاقوامی معاہدات نے آئین کو محض داخلی قانون کی حیثیت سے نکال کر ایک عالمی قدر بنا دیا۔ آئینی ریاست اب صرف کسی ایک قوم کا تصور نہ رہی، بلکہ یہ ایک ایسا ماڈل بن گیا جس کی طرف دنیا بھر کے معاشرے مائل ہونے لگے۔

مغرب میں آئینی ارتقاء کی اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت، انسانی حقوق، اور قانون کی بالادستی کوئی اچانک ابھرنے والے تصورات نہیں بلکہ صدیوں پر محیط فکری، سیاسی، اور عملی جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔ جدید آئینی ریاست فرد، معاشرہ، اور حکومت کے باہمی تعلقات کو ایک منظم، شفاف، اور جواب دہ نظام میں ڈھالنے کی کوشش ہے، جس کی جڑیں مغرب کی تاریخی، فکری، اور قانونی روایت میں گہری پیوستہ ہیں۔

6۔ اسلامی ریاستوں میں دستور سازی کا تاریخی و فکری مطالعہ

اسلام سے قبل کا عرب معاشرہ سیاسی، سماجی اور اخلاقی طور پر ایک پیچیدہ صورت حال سے دوچار تھا۔ جزیرۂ عرب کا خطہ سیاسی لحاظ سے متحد نہ تھا بلکہ مختلف قبائل میں بٹا ہوا تھا، جن کے درمیان اکثر و بیشتر جنگ و جدل جاری رہتی تھی۔ ہر قبیلہ اپنے سردار کے ماتحت چلتا، اور سرداری کا نظام خاندانی تسلسل اور طاقت پر مبنی ہوتا تھا۔ کوئی مرکزی حکومت یا ریاست موجود نہ تھی، بلکہ پورا نظام قبائلی وفاداریوں، غیرت، انتقام، اور ذاتی برتری جیسے اصولوں پر قائم تھا۔

وسیع و عریض صحرا پر مشتمل جزیرۂ عرب میں اکثریتی آبادیاں بدوی قبائل کی تھیں۔ یہ قبائل وحدت و یگانگت اور استقرار و استقامت کے ثمر سے نابلد تھے۔ ایک دوسرے پر بلا سبب حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ جزیرہ عرب کے اطراف واکناف میں مختلف شہر اور بادشاہتیں جیسے سبا (Kingdom of Sabaeans)، حمیر (Himyarite Kingdom)، معین (Minaeans)، مناذرہ (Lakhmids)، غساسنۃ (Ghassanids)، حضر موت (Hadhrami) اور حیرہ (Al-Hira) آباد تھیں اور اُن کا پیشہ زراعت و تجارت تھا۔ یہ بادشاہتیں بھی پڑوس کے بڑے ممالک کے توسیع پسندانہ حملوں کا نشانہ بنتی رہتی تھیں۔ حیرہ اور اس کے آس پڑوس میں اہلِ فارس (Persians) کا اثر و رسوخ تھا۔ شام اور غساسنۃ میں شہنشاہِ روم کا تسلط تھا اور یمن پر حبشیوں کا قبضہ تھا(26)۔ گویا اہلِ عرب کے ہاں سیاسی نظام ناپید تھا۔ اجتماعی سیاسی نظام کے بجائے قبیلہ ہی سیاسی اور معاشرتی وحدت تصور کیا جاتا۔ اہلِ عرب میں یہ رواج عام تھا کہ وہ اپنے آپ کو شہروں کے بجائے قبائل کی طرف منسوب کرتے۔ حتیٰ کہ عرب کے اطراف واکناف میں موجود مملکتیں اور بادشاہتیں بھی قبائل کی طرف منسوب ہوتیں، لہٰذا ہر قبیلے کا اپنا نظام اور اپنی مستقل پہچان تھی(27)۔

---

(26) اليعقوبي البغدادي (م292هـ): تاريخ اليعقوبي، (1/ 2/ 217)، دار صادر، بيروت، والطبري: تاريخ الطبري، (2/ 193)، دار الكتب العلمية، بيروت، ومحمد بن سعد ابن منيع الزهري (م230هـ): الطبقات الكبرى، (1/ 2/ 930-950)، دار إحياء التراث العربي، وعز الدين أبو الحسن علي بن أبي الكرم الشيباني المعروف بابن الأثير (م630هـ): الكامل في التاريخ، (1/ 290)، دار إحياء التراث العربي، بيروت لبنان، ومحمد بن عبد الملك بن هشام المعافري: السيرة النبوية، (ص/ 30-105)، المكتبة العصرية بيروت، الإمام الحافظ عماد الدين أبو الفداء إسماعيل بن كثير القرشي الدمشقي (م774هـ)، السيرة النبوية، (ص/ 70-80)، دار الكتب العلمية، وسميرة الزائد: الجامع في السيرة النبوية، الطبعة الأولى، (1/ 33-97)، نعمان السامرائي: النظام السياسي في الإسلام، ط سنة 2001 م (ص/ 35-40)، د. حامد عبد القادر: الإسلام ظهوره وانتشاره (ص/ 74-75)، د. حسن إبراهيم: تاريخ الإسلام، (ص/ 1-46)، دار الجيل ومكتبة النهضة، القاهرة ط13 سنة 1991 م.

(27) ابن إسحاق اليعقوبي: تاريخ اليعقوبي (2/ 5/ 217)، وابن جرير الطبري: تاريخ الطبري (2/ 197)، وابن

OPEN ACCESS
CC BY

دوسری طرف، مذہبی لحاظ سے بھی عرب معاشرہ جاہلیت کے گہرے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ خانہ کعبہ میں 360 سے زائد بت رکھے گئے تھے اور ہر قبیلہ اپنے علیحدہ معبود رکھتا تھا۔ دینِ ابراہیمی کی اصل تعلیمات مٹ چکی تھیں اور دین، رسموں اور توہمات کا مجموعہ بن چکا تھا۔

اگرچہ یہ معاشرہ زوال کا شکار تھا، مگر اس کے اندر ایک سماجی توانائی اور قبائلی نظم موجود تھا، جو اسلام کے لیے مستقبل میں ایک بنیاد فراہم کرنے والا تھا۔ عربوں کی زبان میں فصاحت، اشعار میں قوت، اور حافظہ میں حیرت انگیز استعداد تھی۔ یہی عناصر بعد میں اسلامی تعلیمات کے فروغ میں معاون بنے۔

اسی پس منظر میں جب اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا، تو اس نے محض ایک مذہبی انقلاب نہیں بلکہ سماجی و فکری انقلاب کی بنیاد رکھی۔ یہ انقلاب عرب معاشرے کی انہی فطری خوبیوں کو الہامی رہنمائی کے تحت ایک جامع نظام میں ڈھالنے لگا۔

7۔ مکہ مکرمہ کی سیاسی و قبائلی ساخت

اسلام کے ظہور سے قبل مکہ مکرمہ جزیرۂ عرب کا نہ صرف مذہبی مرکز تھا بلکہ تجارتی و سیاسی سرگرمیوں کا بھی گہوارہ تھا۔ اس کی اہمیت کی سب سے بڑی وجہ خانہ کعبہ کی موجودگی تھی، جس کے باعث مختلف قبائل یہاں آکر حج و زیارت کرتے اور یوں ایک قسم کی مذہبی مرکزیت قائم ہو چکی تھی۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 125 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا ٱلْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَٱتَّخِذُوا۟ مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِـۧمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لیے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے امان بنا دیا، اور (حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنا لو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک (صاف) کر دو۔

قریش وہ قبیلہ تھا جسے خانہ کعبہ کی تولیت حاصل تھی اور وہی مکہ کی سیاسی طاقت کا اصل مرکز تھا۔ قریش کے مختلف ذیلی خاندان، جیسے بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو مخزوم، وغیرہ اپنے اپنے دائرے میں بااثر تھے۔ ان میں باہمی رقابت موجود تھی، لیکن بیرونی دشمنوں کے خلاف یہ قبائل متحد ہو جایا کرتے تھے۔ قریش کی تجارتی ذہانت اور ان کے شام و یمن کے تجارتی سفر (رحلۃ الشتاء والصیف) نے انہیں عرب کے نمایاں ترین قبیلے میں بدل دیا تھا۔

مکہ کا سیاسی نظام قبائلی مشاورت پر مبنی تھا، جس میں دارالندوہ کے نام سے ایک اسمبلی موجود تھی۔ یہاں قبیلے کے معزز افراد مختلف امور پر مشورہ کرتے، لیکن کوئی باقاعدہ تحریری آئین یا ریاستی ادارے موجود نہ تھے۔ فیصلے طاقت، اثر و رسوخ، اور نسبی برتری کی بنیاد پر ہوتے تھے۔ انہوں نے دار الندوۃ کو حکمرانی اور انتظامی امور کے لیے بطور مرکز قائم کیا اور مشاورت کے لیے ایک کونسل قائم کی، اس کونسل کو "الملاء"، یعنی "لوگوں کا ایسا گروہ جو اپنے مفادات کی خاطر اکٹھا ہو" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ قبائل کے مابین جھگڑوں اور

سعد: الطبقات الكبرى (1/ 940-956)، ابن الأثير: الكامل في التاريخ (1/ 292)، وابن هشام: السيرة النبوية (ص/ 105-108)، ط: الأولى 1411هـ، دار الجيل، بيروت، لبنان؛ ود.أحمد الشريف: مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ. ط: دار الفكر العربي سنة 2003م (ص/ 29-30).

OPEN ACCESS

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

مخالفتوں کے حل کے لیے حلف الفضول کا معاہدہ تشکیل دیا گیا(28)۔

اگر مکہ کی الملاء کونسل کا ایتھنز دور کے Roman Senate اور Ecclesia(29) کی کونسل کے ساتھ تقابلی جائزہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مکہ کی کونسل معاملات کو زیادہ فہم وادراک اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ حل کرتی تھی جب کہ ایتھنز کی کونسل معاملات کو حل کرتے وقت جذباتیت اور جانبداری کو روا رکھتی۔ایتھنز کے لوگ ہر امین اور دیانت دار کو عمر اور اہلیت کی پرواہ کیے بغیر ذمہ دار بنا دیتے تھے، جب کہ اہل مکہ ایک ایسے شخص کو ذمہ داری سونپتے تھے جس کی عمر کم از کم چالیس سال ہوتی اور جس میں عملی مہارات اور قائدانہ صلاحیتیں موجود ہوتی تھیں(30)۔

العرض قریش کی قیادت میں مکہ ایک ایسا معاشرہ بن چکا تھا جہاں معاشی طاقت اور سماجی وقار قبیلوں کی شناخت سے جڑے ہوئے تھے۔مذہب کو بھی ایک سماجی وسیلہ بنا دیا گیا تھا۔خانہ کعبہ میں مختلف قبائل کے بت رکھے گئے تھے تاکہ ہر قبیلہ خود کو اس مرکز سے جڑا ہوا محسوس کرے،اور یوں قریش کو بطور محافظِ کعبہ ایک بالادست مقام حاصل رہے۔

یہی وجہ تھی کہ جب رسول اکرم ﷺ نے توحید کی دعوت دی اور بت پرستی کی مخالفت کی، تو قریش نے اسے صرف ایک مذہبی خطرہ نہیں سمجھا، بلکہ اپنی سیاسی، معاشی اور سماجی برتری کے لیے ایک بڑا چیلنج محسوس کیا۔اس دعوت نے مکہ کے اس مستحکم قبائلی توازن کو جھنجھوڑ دیا، جو صدیوں سے قائم تھا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب اسلام آیا تو عربی شعورِ قومیت اسلامی قومیت میں ضم ہو گیا۔حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کے اندر قومیت کی روح پھونک دی اور ان کے ہاں انساب کی معرفت اور صلہ رحمی کا شعور پیدا ہو گیا۔اس کا ثمر یہ ہوا کہ قبائل کے مابین مضبوط تعلقات استوار ہو گئے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ مَنْسَأَةٌ فِي أَثَرِهِ(31).

اپنا نسب اس قدر جانو جس سے تم اپنے رشتوں کو جوڑ سکو،اس لیے کہ رشتہ جوڑنے سے رشتہ داروں میں محبت بڑھتی ہے،مال میں اضافہ ہوتا ہے اور انسان کی عمر بڑھ جاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے مکی دور کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔مکہ مکرمہ میں مسلم معاشرے کی بنیاد اور عقائد کی تاسیس ہو گئی تھی۔اب اسلامی ریاست کے لیے ایک ایسی سرزمین کی ضرورت تھی جہاں دینی، سیاسی، عسکری اور تمدنی لحاظ سے

(28) المسعودي: مروج الذهب (1/ 89-97) واليعقوبي: التاريخ (1/ 25)، والسهيلي: الروض الأنف (1/ 152-153).حافظ الكرمي: الإدارة في عهد الرسول ﷺ. ط دار السلام- القاهرة 2006 (ص/ 37-38)، ونعمان السامرائي: النظام السياسي في الإسلام، ط: 2 س 2001، (ص/ 43-44).

(29)اس سے مراد رومن سینٹ جو 753 قبل مسیح میں موجود تھا، جبکہ ایکلیسیا سے مراد 594 قبل مسیح میں ایتھنز کی باقاعدہ جمہوری اسمبلی تھی جس میں ایتھنز کی شہریت رکھنے والے تمام مرد افراد شرکت کر سکتے تھے۔

(30) الطبري: تاريخ الطبري (2/ 206)، وابن سعد: الطبقات الكبرى (1/ 8/ 948-964)، ابن الأثير: الكامل في التاريخ (1/ 298)، وابن هشام: السيرة النبوية (ص/ 110-115)، وسميرة الزائد: الجامع في السيرة النبوية (1/ 89-109)، د. أحمد الشريف: مكة والمدينة (ص/ 103، 144).

(31) الترمذي: السنن (6/ 35) برقم (1979)، بيروت، لبنان: دار إحياء التراث العربي، والإمام أحمد: المسند (8855)، بيروت، لبنان: المكتب الإسلامي للطباعة والنشر، 1398هـ.

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

اسلام کو فروغ دیا جا سکے۔ حبشہ چونکہ ایک غیر مسلم حکومت کے ماتحت تھا، اس لیے وہاں مستقل طور پر اسلامی ریاست قائم کرنا ممکن نہ تھا۔ مزید برآں، ایک مسلم قیادت کو جس آزادی اور خود مختاری کی ضرورت تھی، وہ وہاں دستیاب نہیں تھی۔ اس کے برعکس مدینہ کی سرزمین کئی وجوہات کی بناپر موزوں ثابت ہوئی۔

مدینہ کے سیاسی حالات اس وقت تبدیل ہو رہے تھے۔ اوس اور خزرج کے درمیان برسوں سے جاری خانہ جنگی نے قبائل کو تھکا دیا تھا اور وہ ایک ایسی قیادت کے خواہاں تھے جو انصاف پر مبنی ہو۔ اس کے علاوہ، یہودیوں کی موجودگی اور ان کے مذہبی نظریات کی وجہ سے مدینہ کا ماحول رسالت اور توحید جیسے تصورات سے بالکل ناآشنانہ تھا۔ اہلِ مدینہ کے دل ان افکار کے لیے پہلے ہی کسی حد تک آمادہ ہو چکے تھے۔

اوس اور خزرج کے قبائل سے 12 افراد نے ایک خدا کی عبادت، چوری نہ کرنے، زنا نہ کرنے، اپنی اولادوں کو قتل نہ کرنے، بہتان تراشی اور نافرمانی نہ کرنے کی شرائط کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر پہلی مرتبہ جو بیعت کی اسے بیعتِ عقبہ اولی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے بعد یثرب کے 70 مردوں اور دو عورتوں نے بیعت کی۔ اس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس بیعت کو اسلامی ریاست کے قیام میں خشتِ اوّل کی حیثیت حاصل ہے(32)۔

بیعتِ عقبہ اولی اور ثانیہ جیسے واقعات سے یہ واضح ہوا کہ اہلِ مدینہ، رسول اللہ ﷺ کی قیادت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اور وہ آپ کی رہنمائی میں ایک منظم معاشرہ قائم کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ان سب عوامل نے مدینہ کو اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ایک موزوں مرکز بنا دیا۔ مدینہ کی طرف ہجرت، محض ایک وقتی پناہ یا نقلِ مکانی نہیں تھی بلکہ ایک سوچا سمجھا، مدبّر اور حکمت پر مبنی فیصلہ تھا، جو اسلامی ریاست کی بنیاد بن گیا۔

8۔ ہجرتِ مدینہ اور قیامِ ریاست کا آغاز

جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم و ستم کی شدت بڑھنے لگی تو اللہ تعالی کی طرف سے مدینہ ہجرت کا اذن ہوا۔ یہ ہجرت اسلامی تحریک کی تاریخ کا وہ موڑ تھا جس نے محض ایک دینی دعوت کو ایک عملی ریاستی نظام کی شکل دے دی۔ مدینہ، جو اُس وقت "یثرب" کہلاتا تھا، ایک نیم شہری اور قبائلی معاشرہ تھا، جس میں اوس و خزرج جیسے دو بڑے قبائل اور کئی یہودی قبائل آباد تھے۔

مدینہ کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دینی و اخلاقی رہنما کے طور پر تسلیم کیا اور بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ آپ کا اسی طرح دفاع کریں گے جیسے اپنے اہل و عیال کا کرتے ہیں(33)۔

چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور پہلے خطبہ (34) میں اہلِ مدینہ کو دین اسلام کے ساتھ تعلق کو مضبوط

(32) الطبري: تاريخ الأمم والملوك (2/ 234)، وابن سعد: الطبقات الكبرى (1/ 8/ 985-979)، وابن الأثير: الكامل في التاريخ، (1/ 329)، وابن هشام: السيرة (2/ 243-156)، والمقريزي: ابو العباس تقي الدين احمد بن علي بن عبد القادر بن محمد بن ابراهيم بن محمد بن تميم بن عبد الصمد، إمتاع الأسماع (1/ 49-50)، بيروت، لبنان: دار الكتب العلميه، 1420ھ/ 1999ء، والسمهودي: نور الدين أبو الحسن علي بن احمد المصري (م 911ھ)، وفاء الوفا بأخبار دار المصطفى (1/ 2/ 173-174)، مصر: مطبعة السعاده، 1373ھ/ 1954ء،۔النداف: الأخلاق الإسلامية (ص/ 114-115).

(33) أحمد بن حنبل: المسند (3/ 460-461، الرقم: 15836).

(34) الطبري: تاريخ الطبري (2/ 209)، وابن الأثير: الكامل في التاريخ (1/ 209)، وابن خلدون: تاريخ (1/ 51)،

OPEN ACCESS
CC BY

کرنے، اللہ کے عذاب سے بچنے اور اس کی رحمت کی طرف متوجہ ہونے کی تلقین فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے ریاست کے قیام کے لیے ضروری اقدامات کی طرف توجہ مرکوز کی۔ مدینہ میں ایک نیا سماجی، قانونی اور سیاسی نظام قائم ہوا، جس کی بنیاد ایمان، عدل، مساوات اور بھائی چارے پر رکھی گئی۔ سب سے پہلی کوشش مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کرنے کی تھی تاکہ نیا معاشرہ داخلی طور پر مضبوط ہو جائے[35]۔ سو ہجرت کے بعد مسلمان ایک کمزور، محکوم اقلیت سے نکل کر ایک باقاعدہ سیاسی وجود میں ڈھل گئے۔

۹۔ دستورِ مدینہ: اسلامی ریاست کی آئینی تشکیل کی اوّلین تحریری دستاویز

ہجرت مدینہ نے دعوت کے مرحلے کو اقتدار کے مرحلے میں بدل دیا۔ اب دینِ اسلام صرف ذاتی نجات کا پیغام نہ رہا، بلکہ ایک ایسا نظام بن گیا جس کا مقصد دنیا میں عدل کا قیام اور انسانیت کی رہنمائی تھا۔ ہجرتِ مدینہ دراصل اسلامی آئینی تاریخ کا نقطۂ آغاز ہے، جس نے آنے والی اسلامی حکومتوں کے لیے ایک بنیاد فراہم کی۔

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے "میثاقِ مدینہ" کے ذریعے ایک تحریری معاہدہ تشکیل دیا، جس میں مسلمانوں، یہودیوں، اور دیگر قبائل کے درمیان حقوق و فرائض متعین کیے گئے۔ دستورِ مدینہ یا میثاقِ مدینہ تھا۔ یہ محض ایک وقتی معاہدہ نہ تھا بلکہ ایک منظم اور باقاعدہ آئینی دستاویز تھی، جس نے اسلامی ریاست کے ابتدائی ڈھانچے کو قانونی، سماجی، اور سیاسی بنیادوں پر استوار کیا۔ اسی دستور کی بدولت مختلف قبائل، مذاہب اور سماجی گروہوں کو ایک مشترکہ ضابطے کے تحت اکٹھا کیا گیا، جو کہ اس وقت کی عرب دنیا میں ایک انقلابی اقدام تھا۔ آنے والے زمانے میں مدینہ کی ریاست ایک ایسا ماڈل بن گئی جو نہ صرف مذہبی عقیدے پر مبنی تھی، بلکہ سیاسی حکمت، سماجی تنظیم، اور بین الاقوامی تعلقات کے جدید اصولوں پر بھی قائم تھی۔ اب مسلمانوں کو اپنی شناخت کے تحفظ، عبادات کی آزادی، اور دعوت کو پھیلانے کے لیے ایک محفوظ مرکز حاصل ہو چکا تھا۔

دستورِ مدینہ کی بدولت اہل مدینہ کے معاملات کو منظم شکل دی گئی اور ان کے داخلہ و خارجہ تعلقات کی پالیسی کو مدون کیا گیا۔ اس کی تدوین حضور نبی اکرم ﷺ کی اسلامی ریاست کے قیام کے ہدف کی طرف کامیابی کی علامت تھی۔ اس معاہدے کے مطابق تمام گروہوں بشمول مدینہ کے قبائل کو جمہوری اور وفاقی طور اور طرز پر متحد کر کے باقاعدہ ریاست تشکیل دی گئی۔ اس ریاست کے سربراہ حضور نبی اکرم ﷺ تھے اور ریاست کا دستور العمل اسلامی شریعت تھی۔ ریاستِ مدینہ کے دستور کے مطابق عدل و انصاف، مساوات اور عوامی مفاد و تحفظ کو قائم رکھتے ہوئے تمام شہریوں کو حقِ رائے آزادی، مذہبی آزادی اور کام کرنے کی آزادی جیسے تمام حقوق حاصل تھے۔ اس قدیم دستور میں جدید سیاسی مقتضیات کے مطابق ریاست کو تشکیل دیا گیا۔ گویا جدید طرزِ ریاست کے مطابق مدنی ریاست کے تین عناصر افراد، زمین اور حکمران تھے[36]۔

دستورِ مدینہ کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی ہمہ گیری (inclusiveness) تھی۔ اس میں کسی خاص طبقے یا گروہ کو

والسيوطي: الخصائص الكبرى (2/ 367)، والصالحي: سبل الهدى والرشاد (2/ 461-478)، الحلبي: إنسان العيون (2/ 19-29).

(35) ابن حجر العسقلاني: فتح الباري (4/ 210).

(36) الطبري: تاريخ الطبري (2/ 197)، وابن سعد: الطبقات الكبرى (1/ 8/ 948-958، ابن الأثير: الكامل في التاريخ، (1/ 295)، المقريزي: إمتاع الأسماع (1/ 49-59)، والسمهودي: وفاء الوفا (1/ 2/ 173-178)، وسميرة الزائد: الجامع في السيرة النبوية (1/ 36-97) حافظ الكرمي: الإدارة في عهد الرسول ﷺ (ص/ 90)، جان جاك روسو: موسوعة العلوم الاجتماعية (13/ 567)، يوهانس: مفاهيم الدولة والسيادة والقانون (ص/ 49).

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

مخاطب کرنے کے بجائے تمام انسانیت کو مخاطب کیا گیا تھا۔ یہ دستور صرف سیاسی نہ تھا بلکہ اس میں انسانی معاشرے کے تمام اُمور و مسائل کا حل بھی موجود تھا۔ اس میں سیاست اور اخلاق کے درمیان تعلق قائم کیا گیا۔ دنیا و آخرت کے معاملات کو یکجا کیا گیا۔ جائز مقاصد کی تکمیل کے لیے جائز ذرائع کو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق استعمال اور اختیار کیا گیا۔ یہ دستور نکولو میکیاویلی (Niccolo Machiavelli) کی بیان کردہ پالیسی کی طرح نہیں تھا کہ جس میں کسی بھی طرح کے اسباب کا جواز پیش کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا(37)۔

اس معاہدے میں مسلمانوں، یہودیوں، مشرکین، اور غیر جانبدار قبائل کو ''امتِ واحدہ'' کے دائرے میں شامل کیا گیا۔ یہ ایک حیرت انگیز سیاسی بصیرت کا مظاہرہ تھا کہ متنوع طبقات کو ایک اجتماعی نظم کے تحت باندھا گیا، جس میں نہ صرف مذہبی آزادی کا احترام کیا گیا بلکہ سب کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کو ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا۔

ریاست مدینہ کا یہ دستور اس لحاظ سے بھی امتیازی حیثیت کا حامل تھا کہ اہلِ مدینہ کی اکثریت نے جو یہود اور دیگر قبیلوں پر مشتمل تھی، کسی نے بھی اس آئین پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا حالانکہ مدینہ کی آبادی کے صرف پندرہ فیصد لوگوں کی طرف سے یہ دستور پیش کیا گیا تھا(38)۔

قانونی اعتبار سے دستورِ مدینہ نے آئندہ کے لیے شریعت کی بنیاد رکھ دی۔ اس میں قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کو فیصلوں کا مرجع قرار دیا گیا، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کا آئندہ قانون سازی کا نظام وحی اور رسالت کی روشنی میں استوار ہوگا۔ اسی طرح سیاسی لحاظ سے دستورِ مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کو بطور مرکزی مقتدر اتھارٹی تسلیم کرایا، جو تمام فریقین کے مابین ثالث اور فیصلہ ساز ہوں گے۔ اس دستور کے آرٹیکلز اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تمام تنازعات اور جھگڑوں کے حل کا آخری مرجع اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے اختیارات ہیں جو انسانیت کے مابین عدل و انصاف قائم کرنے کے ساتھ خاص ہیں(39)۔

یہ ایک واضح ریاستی سربراہی کا اقرار تھا، جو اس وقت کے قبائلی معاشرے کے لیے ایک نئی سطح کی مرکزی حکومت کے قیام کی علامت تھی۔

دستورِ مدینہ کی یہ آئینی حیثیت اسے محض تاریخی دستاویز نہیں بناتی بلکہ اسلامی سیاسی فکر میں یہ پہلا باقاعدہ تحریری آئین شمار ہوتا ہے، جس نے نہ صرف ریاست کی قانونی اساس رکھی بلکہ مسلمانوں کو اس بات کا شعور بھی دیا کہ ریاست محض طاقت یا وراثت سے نہیں بلکہ آئینی اصولوں اور معاہداتی نظم سے قائم ہوتی ہے۔

لہٰذا، دستورِ مدینہ کو اسلامی ریاست کا پہلا تحریری آئینی ماڈل قرار دینا نہ صرف درست ہے بلکہ ضروری بھی ہے۔ یہ دستور بعد ازاں خلافتِ راشدہ، فتوحاتِ اسلامی، اور اسلامی فقہ کے ارتقاء میں بھی ایک بنیادی سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دستورِ مدینہ اسلامی ریاست کی نہ صرف سیاسی و قانونی بنیاد ہے بلکہ عالمی تاریخ میں بین المذاہب ہم آہنگی، سماجی مساوات، اور آئینی طرزِ حکمرانی کی پہلی مکمل عملی مثال بھی ہے۔ یہ آئین آج بھی مسلم دنیا کے لیے ایک ماڈل اور حوالہ فراہم کرتا ہے، جو موجودہ دور میں آئینی تشکیل کے اصولوں پر غور کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ کی بصیرت اور حکمت کی یاد دلاتا ہے۔

---

(37) Paul Anthony Rahe, Against throne and altar: Machiavelli and political theory under the English Republic (2008), p. 282.

(38) الطبري: تاريخ الطبري (2/ 197)، وابن سعد: الطبقات الكبرى (1/ 8948–958)، ابن الأثير: الكامل في التاريخ، (1/ 295)، سميرة الزائد: الجامع في السيرة النبوية (1/ 36–97).
Encyclopedia Judaica, vol. 11, Col. 121 puts the no of Jews in Medina between 8,000 to 10,000, which is understatement and not supported by Barakat Ahmad, p. 43.

(39) Watt: Muhammad at Medina, p. 39.

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

۱۰۔ مسلم اور مغربی ممالک میں آئین سازی کی فکری بنیادوں کا تقابلی و تحقیقی جائزہ

آئین سازی کسی بھی ریاستی نظام کی بنیاد اور اس کے سیاسی و اخلاقی نظریات کی عملی تشکیل ہوتی ہے۔ جب ہم مسلم اور مغربی دنیا کے درمیان آئین سازی کے عمل کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں تو کئی گہرے فرق اور نمایاں امتیازات سامنے آتے ہیں۔ سب سے پہلا اور بنیادی فرق آئین سازی کے آغاز اور اس کے فکری پس منظر کا ہے۔ اہلِ مغرب نے اگرچہ 18ویں صدی عیسوی میں تحریری آئین کی تشکیل شروع کی، لیکن اس سے کئی صدیاں قبل ساتویں صدی میں اسلامی ریاست مدینہ کی بنیاد ہی ایک جامع، تحریری اور باقاعدہ آئین یعنی "دستورِ مدینہ" پر رکھی گئی تھی۔

پہلی صدی قبل مسیح کے دوران افلاطون، سقراط اور ارسطو نے جو سیاسی فکر پیش کی وہ محض خیالات اور کتابوں کے کالے حروف تک محدود تھی اور اس کا عملی سیاست کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے افلاطون، سقراط، ہیروڈوٹس نے پانچویں صدی قبل مسیح میں بھی مثالی جمہوری شہروں کا نظریہ پیش کیا لیکن وہ شہر بھی خیالی رہے اور کبھی قائم نہ ہو سکے(40)، جب کہ اسلامی سیاسی اور تنظیمی فکر خیالی کے بجائے عملی تھی اور جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اس فکر کو پیش کیا اسی وقت ہی عملی طور پر اس کا نفاذ ہو گیا۔ مسلم اربابِ فکر و نظر نے ان افکار کو ترقی دے کر عملی طور پر مزید مستحکم کیا۔ اسلامی آئین اپنی وسعت، استحکام، استقلال، لچک اور عملی نفاذ کے اعتبار سے کسی بھی دوسری سیاسی فکر سے مستحکم اور ممتاز و منفرد ہے۔

مسلم دنیا میں آئین سازی کا عمل دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے جڑا ہوا ہے۔ قرآن و سنت، اجماعِ امت اور اجتہاد جیسے ذرائع، آئینی ڈھانچے کی اساس فراہم کرتے ہیں، جو نہ صرف حکمرانی کے اصول متعین کرتے ہیں بلکہ ایک صالح معاشرہ تشکیل دینے میں بھی کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ریاستِ مدینہ میں اقتدار کی بنیاد قانون پر تھی، تمام شہری قانون کے سامنے برابر تھے، اور عوام کو حکومتی معاملات میں رائے دہی کا مکمل حق حاصل تھا۔

اس کے برعکس مغربی دنیا میں ریاستی نظام کی بنیاد مختلف نظریاتی تجربات پر رکھی گئی۔ کبھی طاقت، کبھی نسل، کبھی مذہب اور کبھی فکری آزادی پر۔ وہاں آئین سازی کا عمل طویل ارتقائی مراحل سے گزرا۔ رومن اور یونانی ریاستیں اگرچہ آزادی کے دعوے کرتی تھیں، لیکن وہ صرف خاص طبقات تک محدود تھی؛ عام شہری، غلام، اور دیگر قوموں سے تعلق رکھنے والے افراد آزادی و انصاف سے محروم تھے۔

اہل مغرب کے ہاں مذہب ریاست کے اختیارات اور ریاست کو جواز بخشنے کے لیے استعمال ہوتا تھا نہ کہ ریاست مذہب کی خدمت کے لیے تھی(41)، جب کہ اسلام میں ریاست کا تصور اس سے کلیتاً مختلف ہے۔ اسلام ریاست کو دین کی خدمت کرنے والا منظم و مربوط اور محکم و مستحکم ادارہ تصور کرتا ہے اور سیاسی منصب (جسے علمی اصطلاح میں امامت کہتے ہیں) کا مقصد دین کی حفاظت اور دین کی روشنی میں دنیا پر حکمرانی کرنا ہے(42)۔

اسی طرح اسلامی دستور میں سیاسیات اور اخلاقیات میں کوئی تفاوت اور فاصلہ نہیں ہے۔ اہلِ مغرب کے ہاں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اخلاقیات کا تعلق سیاست کے ساتھ نہیں ہے جبکہ اسلامی سیاسی نظام کی بنیاد ہی اخلاقی اقدار پر ہے اور ان کے مابین حدِ فاصل قائم کرنا اور خطِ امتیاز کھینچنا ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ اہلِ مغرب اور بالخصوص میکیاویلی (Niccolo Machiavelli) کے پیروکاروں کے

(40) John Bowle: Western Political Thought, pp. 15–17, 42-44, 297–299.

(41) د. كاظم حطيط: أبحاث في السياسة والقانون، منشورات الحلبي، ط 2003 م (ص/ 23–25).

(42) الماوردي: أبو الحسن، الإمام، الأحكام السلطانية (ص/ 130)، ط: دار الكتب بيروت، وعادل ثابت: الفكر السياسي الإسلامي. دار الجامعة الجديدة، ط 2003 م (ص/ 15–17).

OPEN ACCESS
CC BY

Published:
May 25, 2025

نزدیک سیاست واخلاقیات کے درمیان بعد المشرقین ہے(43)۔

خلاصہ بحث

اسلامی ریاست میں آئین کا مفہوم مغربی ریاستوں کے مقابلے میں زیادہ جامع ہے اس لئے کہ مغربی آئین جہاں شہریوں کے حقوق وفرائض تک محدود ہے، وہاں اسلامی آئین کا دائرہ عقیدہ، اخلاق، معاشرت، قانون، اور بین الاقوامی تعلقات تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جو اسلامی سیاسیات کو اخلاقیات سے جوڑتا ہے، جبکہ مغربی سیاسی فکر بالخصوص میکیاویلی کے فلسفے کے تحت سیاست اور اخلاق کو ایک دوسرے سے جدا تصور کیا جاتا ہے۔

اسلامی آئین نہ صرف نظریاتی اعتبار سے مضبوط تھا بلکہ اس میں عملیت، شمولیت، اور استقامت بھی نمایاں تھی۔ ریاستِ مدینہ میں یہ آئین کسی خونی انقلاب کے نتیجے میں نہیں بلکہ باہمی رضامندی اور الٰہی ہدایت کے تحت وجود میں آیا۔ اس دستور نے شہریوں کے درمیان عدل، مساوات، بقائے باہمی، اور مذہبی آزادی جیسے اصولوں کو بنیاد بنایا، جو جدید جمہوری ریاستوں کے بنیادی اصول سمجھے جاتے ہیں۔

آخر میں، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی آئین سازی نے انسانی تاریخ میں ایک مثالی، پرامن اور پائیدار سیاسی نظام کی بنیاد رکھی جو آج بھی اقوامِ عالم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ مغرب نے اگرچہ طویل جدوجہد کے بعد آئینی شعور حاصل کیا لیکن اس کا نظام انسانی خواہشات اور بدلتے اصولوں پر مبنی رہا جب کہ اسلامی نظامِ آئین سازی ایک الٰہی نظام ہے جو فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور ہر دور میں قابلِ عمل ہے۔

مصادِر ومراجع

1 - ابن الأثير: أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الكريم بن عبد الواحد شيباني الجزري. الكامل في التاريخ. دار الكتب العلمية، بيروت، 1415ھ، الطبعة: ط2.

2 - الطبری: أبو جعفر محمد بن جرير بن يزيد (224ھ–310ھ/ 839ء–923ء). تاريخ الأمم والملوك. بيروت، لبنان، دار الكتب العلمية، 1407ھ. تحقيق محمد أبو الفضل إبراهيم.

3 - ابن حجر العسقلاني: أحمد بن علي بن محمد بن علي بن أحمد كناني. فتح الباري شرح صحيح البخاري، نشر الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد، الرياض.

4 - ابن خلدون: عبد الرحمن بن خلدون المغربي (808ھ). التاريخ. بيروت لبنان دارالكتاب البناني.

5 - ابن سعد: أبو عبد الله محمد (168ھ–230ھ/ 784ء–845ء). الطبقات الكبرى. بيروت، لبنان: دار بيروت للطباعة والنشر، 1398ھ/ 1978ء.

6 - ابن هشام، أبو محمد عبد الملك الحميري (213ھ/ 828ء). السيرة النبوية. بيروت، لبنان: دار الجيل، 1411ھ.

7 - أحمد بن حنبل: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (164ھ–241ھ/ 780ء–855ء)، المسند. بيروت، لبنان: المكتب الاسلامي للطباعة والنشر، 1398ھ/ 1978ء.

8 - الإمام الحافظ عماد الدين أبو الفداء إسماعيل بن كثير القرشي الدمشقي (م774ھ)، السيرة النبوية، دار

(43) John Bowle: Western Political Thought, pp. 249, 268.

OPEN ACCESS
CC BY

المعرفة للطباعة والنشر والتوزيع بيروت – لبنان، عام النشر: 1395 هـ - 1976 م.

9 - الترمذي: أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة بن موسى بن الضحاك السلمي (209هـ-279هـ/ 825ء-892ء). السنن. بيروت، لبنان: دار إحياء التراث العربي.

10 - جان جاك روسو: موسوعة العلوم الاجتماعية.

11 - الكرمي: الإدارة في عهد الرسول G. ط دار السلام – القاهرة 2006ء.

12 - الحلبي، العلامة أبى الفرج نور الدين علي بن إبراهيم بن أحمد الحلبي الشافعي: إنسان العيون فى سيرة الأمين المأمون، المعروف بـ(السيرة الحلبية). دار الكتب العلمية، بيروت، 2008م.

13 - خزعل الماجدي: فنون السومريون. الكتاب الأول. التاريخ الميثولوجيا ط:الدار الأهلية. عمان 1998ء.

14 - د. إبراهيم نصح: تاريخ الرومان من أقدم العصور حتى 133 ق.م.

15 - د. حامد عبد القادر: الإسلام ظهوره وانتشاره.

16 - د. حسن إبراهيم: تاريخ الإسلام. دار الجيل ومكتبة النهضة، القاهرة ط13 سنة 1991ء.

17 - د. كاظم حطيط: أبحاث في السياسة والقانون، منشورات الحلبي، ط 2003ء.

18 - أحمد الشريف: الدكتور/ إبراهيم. مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول G. ط دار الفكر العربي سنة 2003ء.

19 - د. عباس عبودي: شريعة حمورابي. ط1، دار الكتب العلمية، بيروت سنة 2001م.

20 - السمهودى: نور الدين أبو الحسن علي بن أحمد المصري (م 911هـ). وفاء الوفا باخبار دار المصطفى G. مصر: مطبعة السعاده، 1373هـ/ 1954ء.

21 - سميرة الزائد: الجامع فى السيرة النبوية، الطبعة الأولى.

22 - السهيلي: أبو قاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد أبي حسن الخثعمي (508هـ-581هـ). الروض الأنف. بيروت، لبنان: دار الكتب العلمية، 1418هـ/ 1997ء.

23 - السيوطي: جلال الدين أبو الفضل عبد الرحمن بن أبي بكر بن محمد بن أبي بكر بن عثمان. الخصائص الكبرى. المدينة المنورة، سعودي عرب: دار المدينة المنوره، 1416هـ/ 1996ء.

24 - الصالحي: أبو عبد الله محمد بن يوسف بن علي بن يوسف الشامي (م942هـ/ 1536ء). سبل الهدى والرشاد. بيروت، لبنان: دار الكتب العلمية، 1414هـ/ 1993ء.

25 - عز الدين أبو الحسن علي بن أبي الكرم الشيباني المعروف بابن الأثير (م630هـ): الكامل في التاريخ، دار إحياء التراث العربي، بيروت لبنان.

26 - د. علي يوسف الشكري: القانون الدستوري والأنظمة السياسية. ط: 2004ء، تيراك للنشر.

27 - الماوردي: أبو الحسن، الإمام، الأحكام السلطانية (ص/ 130)، ط: دار الكتب بيروت، وعادل ثابت: الفكر السياسي الإسلامي. دار الجامعة الجديدة، ط 2003 م.

28 - المسعودي: مروج الذهب، القاهرة 1918ء.

29 - المقريزي: ابو العباس تقي الدين احمد بن علي بن عبد القادر بن محمد بن ابراهيم بن محمد بن تميم بن عبد

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)

Published:
May 25, 2025

الصمد، إمتاع الأسماع، بيروت، لبنان: دار الكتب العلميه، 1420ھ/ 1999ء.

30 - محمد النداف: الأخلاق والسياسة.

31 - د. نعمان السامرائي: النظام السياسي في الإسلام. الرياض، 2000م.

32 - أحمد بن إسحاق بن جعفر بن وهب بن واضح اليعقوبي البغدادي (ت 292ھ): تاريخ اليعقوبي، دار الكتب العلمية، بيروت.

33 - يوهانس: مفاهيم الدولة والسيادة والقانون.

34 - Albert P. Blaustein & Jay A.Sigler, *Constitutions that made History*, Paragon House, New York, 1988.

35 - Andre' Aymard & Jeannine Auboye, *General history of civilizations - ancient Greece and the Middle.*

36 - Andre' Aymard & Jeannine Auboyer, *General history of civilizations – Rome and its Empire*.

37 - Carl von savigny & Translated from German by E. Cathcart, *The History of the Roman Law during Middle Ages*, Vol. 1, 1779-1861, Fritz Schulz, Classical Roman Law, Oxford University Press, 1960.

38 - Charles Seignobos, Arthur Herbert Wilde, Arthur Herbert Wilde, *History of Ancient Civilization*, Charles Scribner's Sons: New York: 1906.

39 - Charles Seignobos, Arthur Herbert Wilde, *History of Ancient Civilization*.

40 - Colin Turpin, *British Government and the Constitution Text, Cases & Materials*, 5th Ed., Cambridge University Press, 2005.

41 - *Democracy Today and Tomorrow, Edvard Benees, The Macmillan Company, New York, 1939.*

42 - *Encyclopedia Judaica*

43 - Eugene W. Hickok, *The Bill of rights: Original Meaning and current Understanding.*

44 - H. R. Hall, *The Ancient History of the Near East: From the Earliest Times to the Battle of Salamiss*, Methuen, London, 1913.

45 - Hilaire Barnett, *Constitutional and administrative Law*, Cavendish publishing Limited, seventh Edition (2009).

46 - J. P. Mahaffy, *A Survey of Greek Civilization: Flood and Vincent*, Meadville, PA: 1896.

47 - James C. Holt, *Magna Carta.*

48 - John Alder, R (Uttley) V Secretary of State for the Home Department (2004): *Constitutional Law and administrative Law*, sixth Edition, Palgrave Macmillan Press, 2007.

49 - John Locke (1632–1704), *Individual Rights and majority Government*, John Alder, *Constitutional Law and administrative Law.*

50 - Joseph Smith, *The American Constitution, The First Two Hundred Years, 1787-1987*, University of Exeter Press: Exeter, England: 1987.

51 - Julian Huxley, *From an Antique Land: Ancient and Modern in the Middle East*, Crown. New York. 1954.

52 - Laurence H. Tribe, *American Constitutional Law*, 2nd edition, The Foundation Press, Inc:1988.

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June, 2025)
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: May 25, 2025

53 - Melvin I. Urofsky, Paul Finkelman, *A March of Liberty: A Constitutional History of the United States*, Volume: 1, Oxford University Press, New York, 2002.
54 - Paul Anthony Rahe, Against throne and altar: Machiavelli and political theory under the English Republic (2008) .
55 - Pertue, M, Constitution de 1791, in Soboul, Ed.: *Dictionnaire historique de la Revolution francaise*, Quadrige/PUF, Paris, 2005.
56 - Peter Leyland: *The Constitution of the United Kingdom, A constitutional Analysis*.
57 - Ralf Ketcham: *The Anti-Federalist Papers and the constitutional Convention Debates*.
58 - Robert Schnerb: *General history of civilizations*: The nineteenth century.
59 - Roland Mussenier: *General history of Civilizations* – 16&17 Century.
60 - S.langdon, The Sumerian Law code compared with the Code of Hammurabi, 1935.
61 - W. Montgomery Watt: Muhammad at Medina.
62 - William Doyle: *The Oxford History of the French Revolution* (2nd ed. 2003)
63 - William sharp Mckechnei, *Magna Carta: Text and Commentary*.

CC BY